JOURNAL OF ACADEMIC RESEARCH FOR HUMANITIES
ISSN 2663-192x

HJRS Link: Journal of Academic Research for Humanities (HEC-Recognized for 2022-2023)
Edition Link: Journal of Academic Research for Humanities, 3(3) July-September 2023
License: Creative Commons Attribution-Share Alike 4.0 International License
Link of the Paper: https://jar.bwo.org.pk/index.php/jarh/article/view/284

جمیل ملک کی غزلیات میں سماجی شعور کا جائزہ

"ANALYSIS OF SOCIAL CONSCIOUSNESS IN THE GHAZALS OF JAMIL MALIK"

Author 1:	**AFSANA**, Research Scholar, Department of Urdu Zuban-O-Adab, Fatima Jinnah Women University, Rawalpindi, afsanamanzoor163@gmail.com
Corresponding Co-Author 2:	**DR. AQLIMA NAZ**, Assistant Professor, Department of Urdu Zuban-O-Adab, Fatima Jinnah Women University, Rawalpindi, aqlimanaz47@gmail.com

Paper Information

Citation of the paper:
(APA) Afsana and Naz. Aqlema (2023). Analysis of Social Consciousness in the Ghazals of Jamil Malik. In Journal of Academic Research for Humanities, 3(3), 130–140.

Subject Areas:
1 Urdu Literature
2 Humanities

Timeline of the Paper:
Received on: 12-05-2023
Reviews Completed on: 28-08-2023
Accepted on: 19-09-2023
Online on: 24-09-2023

Recognized:

Published by:

Abstract

Jamil Malik is a well-known poet of the era. He has written Ghazal's, Nazms, Geet's, and Hicko's as well. But his main area of poetry is ghazal. He has written different Ghazal books like, ''Sarood e Chiraghan'', ''Parda e Sukhan'', ''Shakhy sabz'', ''Shaista Bahar''. He has presented class division, social inequalities, social oppression, anxiety and depression, exploitation of moral values, traditions and customs, human behavior, development in science and technology, and social situations in his Ghazal. This research paper deals with the social consciousness in the Ghazals of Jamil Malik to know how he has depicted societal awareness in his poetry.

Keywords: Ghazal, Jamil Malik, social consciousness, moral values, social inequalities

،ادب میں شامل ہونے کو بے قرار رہتے ہیں" (ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، 1985ء، ص9) ۔

شاعر معاشرے کا حساس فرد ہوتا ہے ۔اس لیے شاعری میں وہ اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرے کی کجیوں ،خامیوں اور کوتاہیوں کا اظہار بھی برملا کرتا ہے ۔ ایک عام انسان کی طرح ہی اس کے اندر بھی انسانیت کا درد ہوتا ہے۔شاعر اپنی شاعری میں جو کچھ بیان کرتا ہے، وہ اپنے معاشرے سے سب کچھ لیتا ہے۔سماج کے روّیوں کو وہ شاعری کی صورت میں قلمبند کرتا ہے۔ کہیں ماضی کا کرب تو کہیں موجودہ دور میں سماج کے روّیوں کے دکھ کو لکھتا نظر آتا ہے۔

جمیل ملک کی غزلیات میں سماجی شعور کا جائزہ:

جمیل ملک اردو ادب کے مایہ ناز شاعر ہیں۔جنھوں نے غزل، نظم ،گیت، ہائیکو جیسی مختلف شاعرانہ ہئیتوں میں اپنے خیالات کا اظہار کیا لیکن غزل کے میدان میں انھوں نے شہرت حاصل کی۔ جمیل ملک کے عہد کی غزل کا دور عہد غالب سے شروع ہو کر آتا ہے اور بعد ازاں ترقی پسند تحریک سے ہوتے ہوئے بیسویں صدی کے آخری عشروں میں جا کر مکمل ہوتا ہے۔ جمیل ملک کی غزلیات کے چار مجموعے ہیں ۔پہلا مجموعہ "سرو چراغاں" کے نام سے شائع ہوا۔ دوسرا مجموعہ "پردہ سخن"، تیسرا مجموعہ "شاخِ سبز" ہے اور آخری مجموعہ "شائستہ بہار" کے عنوان سے ہے۔

"سرو چراغاں" میں جمیل ملک معاشرے کے تمام اسرار و رموز سے بخوبی آشنا نظر آتے ہیں۔ جمیل ملک ایک حساس طبیعت کے مالک تھے، اس لیے ان کی غزلیات میں بھی سماجی شعور کی جھلکیاں نمایاں نظر آتی ہیں۔ سماج کے ہر پہلو کے متعلق پورے سیاق و سباق سے تفصیل در تفصیل بیان کرتے چلے جاتے ہیں ۔ جمیل ملک اپنے

تعارف:

شعور سے مراد انسان کا وہ احساس ہے جو اسے اپنے اردگرد پھیلی دنیا کی سمجھ عطا کرتا ہے ۔ انسان اسی شعور کی وجہ سے اشرف المخلوقات تصور کیا جاتا ہے۔ایک معاشرے میں رہتے ہوئے، زندگی بسر کرتے ہوئے بحیثیت فرد انسان کی اپنے سماج سے متعلق واقفیت یا سمجھ بوجھ اس کا سماجی شعور کہلاتا ہے۔ڈاکٹر افضال بٹ سماجی شعور کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں۔"سماجی شعور، سماجی آگہی اور پہچان سے عبارت ہے ۔یہاں وہ تغیر و تبدل اہم ہے جو ہمہ وقت کسی سماج میں جاری و ساری رہتا ہے اور زندگی کے نئے رخ متعین کرتا ہے۔ساتھ ہی ساتھ سماج کے عمومی و خصوصی روّیے اور منفی و مثبت سطح پر اس کے انفرادی زاویوں سے آگہی بھی سماجی شعور کے دائرے میں آتی ہے " (ڈاکٹر محمد افضال بٹ، اردو ناول میں سماجی شعور،، 2009ء، ص2)

۔

ایک ادیب جس سماج میں زندگی بسر کرتا ہے اس میں ہونے والی تبدیلیاں اسے متاثر کرتی رہتی ہیں۔اس معاشرے کی تاریخ، اس کے ماضی، حال اور مستقبل سے جدا یا کٹ کر تخلیقی عمل کو پروان چڑھانا کسی ادیب یا شاعر کے بس کی بات نہیں۔حفیظ صدیقی کے بقول۔ "ادب برائے ادب کے علمبردار آج تک مناسب اور معقول طوالت رکھنے والے کسی ایسے ادب پارے کی نشاندہی نہیں کر سکے جسے ہر اعتبار سے خاص جمالیاتی ادب قرار دیا جا سکے۔کیونکہ فن کار بہر حال معاشرے کا ایک فرد ہے۔اپنے ماحول کی کچھ چیزیں اسے پسند اور کچھ نا پسند۔ اس کے کچھ مذہبی عقائد بھی ہیں ۔۔ہم سماجی امور کو ادب کا موضوع بنانے سے کتنا ہی اجتناب کریں ہماری شخصیت، کردار اور فکر و احساس کے وہ اجزاء جو جزوی یا کلی طور پر سماجی ماحول کی پیداوار ہیں

تازہ دم ہوتا ہوا آگے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے"(جمیل ملک،(دیباچہ)پردۂ سخن (غزلیں)1985ء تا 1974ء، طبع اوّل،1975ء،ص9) ۔

ہمارے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ انسان زمانہ قدیم میں اور موجودہ دور میں بھی طبقات میں بٹا ہوا ہے۔امیر امیر تر ہے اور غریب دو وقت کی روٹی کو ترس رہا ہے۔یہ طبقاتی تقسیم نہ صرف انسانیت کو تقسیم کرتی ہے بلکہ انسانوں کے مسائل خوشی ، غمی ، خواہشات ، مصروفیات ہر چیز کو تقسیم کر دیتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ طبقاتی تقسیم ہی معاشرے میں ناانصافیوں کا باعث بنتی ہے ۔امیر لوگ اپنے پیسے کا استعمال کر کے ہر چیز حاصل کر سکتے ہیں جبکہ اس کے بر عکس غریب کا حق بھی کھا جاتے ہیں۔یہی غیر معتدل رویہ معاشرے میں ناانصافی کا باعث بنتا ہے ۔ان کی غزلیات میں ہمیں طبقاتی کشمکش اور معاشرتی ناانصافیاں جابجا نظر آتی ہیں۔

ے "مری حیات پہ کیوں چھا رہی ہے تاریکی؟
مجھے نگاہ سے شاید گرا رہا ہے کوئی
یہی ہے تیرے خدائی یہی ہے تیرا انظام
کہ گام گام پہ صدمے اٹھا رہا ہے کوئی "
(جمیل ملک،سروِ چراغاں،1928ء،ص29)

یہاں جمیل ملک خدا سے شکوہ کناں نظر آتے ہیں کہ ہر کوئی اس راہ میں صدمے اٹھا رہا ہے تو خدا کچھ کیوں نہیں کرتا،چنانچہ یہاں دکھ اور کرب کی کیفیت نظر آتی ہے۔ایک اور جگہ وہ اس طرح سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

ے "یہی ہے کیا تری تقسیم گلستان کا اصول
کسی کو پھول ملیں اور کسی کو خار ببول
زمین کا رنگ تو ہم رنگِ دام ہوتا ہے
بھٹک نہ جائیں کہیں میری چاہتوں کے رسول

مشاہدات اور تجربات کی بنا پر معاشرے کے حساس اور سنجیدہ موضوعات پر قلم اٹھاتے ہیں۔ آفتاب اقبال شمیم ان کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔" جمیل ملک شعر و ادب کے تخلیقی عمل میں گذشتہ پچاس یا اس سے زیادہ برسوں سے پوری کومٹ منٹ کے ساتھ شامل ہیں۔یہ عرصہ ایک فنکار کی پوری عمر کا حصہ ہے اور اس خطے کے عصری ثقافتی تاریخ کا ایک معتبر حوالہ بھی ہے ۔جیسے شگفتہ گل بہار کی علامت ہے،اس خطے کے ادیبوں اور شاعروں کے دم قدم سے یہاں پر ادب اور دانش کے ایک ہم رنگ موسم میں نمو پائی ہے۔اور جمیل ملک اسی موسم کی ایک نمایاں شناخت کا درجہ رکھتے ہیں"(آفتاب اقبال شمیم،(دیباچہ) جمیل ملک فن اور شخصیت،از ڈاکٹر اعجاز راہی، 2003ء،ص6) ۔

جمیل ملک اپنے گردوپیش سے بہت زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔اس لیے ان کی زبان میں نہ صرف ماحول کا تجزیہ شامل ہے بلکہ ان کے احساسات اور تاثرات کا سلسلہ غزل میں پوری آب و تاب کے ساتھ جھلکتا نظر آتا ہے۔ان کے ہاں ہر جگہ سماج سے متعلق بحثیں نظر آتی ہے وہ کہیں بھی خود کو سماج سے الگ نہیں رکھتے بلکہ سماج کو زندگی کا ایک لازمی حصہ سمجھتے ہیں۔وہ ادب کو سماج کا ایک مسلسل عمل قرار دیتے ہیں اور سماج کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے بات کرتے نظر آتے ہیں۔ان پر منفی پہلوؤں کے بجائے مثبت پہلو زیادہ حاوی نظر آتے ہیں۔

"پردۂ سخن" کی غزلیات کے بارے میں احمد ظفر لکھتے ہیں۔"'سرو چراغاں 'کے بعد 'پردۂ سخن'غزل میں جمیل ملک کے سفر کے دوسرے مرحلے کی داستان ہے ایک ایسے مسافر کے سفر کی داستان جو مسافت پر مسافت طے کرتا چلا جا رہا ہے، مگر اس کے ہاں تھک ہار کر بیٹھ جانے کا انداز کہیں نہیں ملتا بلکہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ سفر کی صعوبت،راہ کے پیچ و خم اور دشوار گذار مرحلوں سے مسافر اور زیادہ

ضرورت ہے۔اس حوالے سے ان کے ہاں درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں۔

ے"چمن میں خون پسینہ رچا ہے کس کس کا!

کہ ایک عمر میں خوشبوئے گل کشید ہوئی"

(جمیل ملک، پسِ اظہار، 2000ء، ص18)

ے"سارے جسم میں کانٹے سے اُگ آئے ہیں

یہ انعام ہے پاؤں زمین پہ دھرنے کا!"

(، پسِ اظہار، ص27)

ے"چہرے اپنے ہیں مگر سوچ کسی اور کی ہے

اپنے سر پر بھی کسی غیر کا سر ہو جیسے"

(، پسِ اظہار، ص43)

ے"تا عمر کرائے کے مکانوں میں رہے ہم

گھر گھر میں بھٹکتے رہے گھر تک نہیں پہنچے"

(، پسِ اظہار، ص92)

ے"یوں سینہ بہ سینہ ہے روایات کی بارات

جیسے یہ تہہِ خاک دفینوں کا سفر ہے"

(، پسِ اظہار، ص96)

انہوں نے سماج کے دکھ، درد، کرب کو قریب سے محسوس کیا اور پھر اپنی شاعری کی صورت میں قلم بند کیا۔ یہاں بھی وہ اسی کرب کو محسوس کرتے نظر آتے ہیں اور ان کے داخلی کرب کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں کہ آخر سماجی ظلم و ستم سے تنگ آکر لوگ کسی حد تک مایوسی کا شکار نظر آنے لگتے ہیں یہاں تک کہ انہیں اپنی زندگی بھی بوجھ محسوس ہونے لگتی ہے اور اظہارِ صداقت تو اس سماج میں ایک جرم بن جاتا ہے۔

ے"لب ہلیں اور زمانہ میرا دشمن ٹھہرے

کس قدر جرم ہے اظہارِ صداقت بھی"

تمھارے پاس تو سِم سِم کا اسمِ اعظم ہے

یہ کیا کہ بند ہے اپنے لیے ہی بابِ قبول

(جمیل ملک، شاخِ سبز، 1986ء، ص54)

جمیل ملک نے بہت واضح انداز میں طبقاتی تقسیم کے بارے میں لکھا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ مزدور اور نچلے طبقے کو اپنی جنگ خود لڑنا پڑتی ہے کہ امیر طبقے کے لوگ کہیں کسی کا ساتھ نہیں دیتے۔غریب طبقے کے لوگ خود ہی اپنے ہر کام کے لیے، اپنی عزت بچانے کے لیے میدان میں اترتے ہیں۔کوئی دوسرا ان کی مدد کو نہیں آتا۔ جمیل ملک نے اس طبقاتی تقسیم میں مزدور اور نچلے طبقے کے لوگوں سے ہمدردی کا اظہار کیا ہے اور ان کے دکھ، درد کو اپنی غزلوں میں شامل کیا ہے۔ انھوں نے طبقاتی تقسیم اور معاشرتی نا انصافیوں کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے جو صدیوں سے مروج نظام آج بھی اسی طرح قائم و دائم ہے۔وہ اس پر گہرے دکھ کا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

ے"اب کس سے بڑھ کر بات کریں بستیوں کے لوگ

ہر کوئی اپنے آپ سے اونچا دکھائی دے"

(شاخِ سبز، ص79)

"مقتل میں خونِ دل لبِ اظہار ہی نہ ہو

اب گفتگو کسی سے سرِ دار ہی نہ ہو"

(شاخِ سبز، ص21)

ان اشعار میں بھی طبقاتی تقسیم کا بیان واضح انداز سے ہوا ہے۔ہمارا معاشرہ اس طرف جا رہا ہے کہ کوئی کسی کی مدد کرنے کو راضی نہیں، امیروں کو اپنی امیری پر فخر ہے اور غریب کو اپنی غربت پر رونے کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ اگر اس طبقاتی تقسیم اور سماج میں ہونے والی ناانصافیوں پر قابو پا لیا جائے تو شاید یہ معاشرہ ایک بہتر راہ کی طرف چل سکتا ہے۔اس سلسلے میں معاشرے کے فرد کو اپنا کردار نبھانے کی

اور بمشکل زندگی کو گزارتے نظر آتے ہیں۔اس کیفیت کا اظہار وہ اس طرح اپنی غزلیات میں کرتے ہیں۔

ے"ہم بھی اے دوستو غنیمت ہیں

ورنہ دنیا میں اب رہا کیا ہے"

(پسِ اظہار، ص92)

جمیل ملک اس میں مایوسی کا ذکر کرتے نظر آتے ہیں اور سماجی جبر کو نا امیدی سے تشبیہ دیتے نظر آتے ہیں۔ اس سماجی جبر میں اگر انسان زندہ ہے تو غنیمت ہے کیونکہ جب انسان ظلم و ستم سے تنگ آجاتا ہے تو مرنے کو ترجیح دیتا ہے مگر اس کی سانسیں پھر بھی چل رہی ہوتی ہیں تو وہ صبر کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا۔اس سماجی جبر اور اندرونی دکھ، درد ، کرب نے انسانوں کو مایوسی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔کیونکہ لوگ ان سب چیزوں کو مزید برداشت نہیں کر سکتے۔ جمیل ملک نے یہ سب دیکھا، محسوس کیا اور شاعری کی صورت میں اس سماجی جبر کو بیان کیا۔

ے"اس دورِ پر خطر میں یارو قدم قدم پہ

احساسِ زندگی نے بخشی پناہیں"

(پسِ اظہار، ص83)

جمیل ملک اپنے سماج کی اس صورت حال سے سخت نالاں ہیں اور غزلیات کے ذریعے یہ درس دیتے نظر آتے ہیں کہ اس سماجی ظلم میں اگر کوئی انسان زندہ ہے تو وہ اپنی زندگی کو غنیمت سمجھے کیونکہ اس سماج میں قدم قدم پر بہت سے خطرات ہیں جن کا سامنا کرنا غریب عوام کے بس کی بات نہیں۔ ہر کوئی اندرونی دکھ کا شکار نظر آتا ہے اور دنیا میں مایوسی کے دہانے پر کھڑا نظر آتا ہے۔اگر یہ مایوسی اور جبر ختم نہ ہوا تو ہمارے سماج میں ایک خلا جنم لے لے گا اور یہ دوری اور تنہائی مزید کرب کا شکار ہو جائے گی۔اگر سماج سے ناانصافیاں اور یہ ظلم و ستم ختم ہو جائے تو ہر کوئی سکون کی زندگی جی سکتا ہے۔

ے"کوئی کرے تو کہاں تک کرے شراکتِ غم!

(،پسِ اظہار، ص109)

ے"جنہیں نچوڑ کر خون زندگی نے چھوڑ دیا

ستم تو دیکھ، انہیں موت بھی نہیں آئی"

(شاخِ سبز، ایضاً، ص116)

شیشہ گروں سے مراد ہمارے سماج کا امیر طبقہ ہے۔ بعض جگہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی کا منہ بند کروانے کے لیے پیسے دیے جاتے ہیں یا ڈرا دھمکا کر عزت خراب کرنے کا کہہ کر اس غریب سماج کا منہ بند کروا دیا جاتا ہے۔ مگر یہ ایک طرح کا ظلم ہے جو کہ لوگوں کو سچ بولنے سے روکتا ہے اور اپنی عزت کے لٹ جانے کے ڈر سے آنکھیں ہوتے ہوئے بھی وہ اندھے بن جاتے ہیں۔ وہ اس سماج کا مقابلہ ہنس کے کرتے ہیں، چاہے اندر ہی اندر خود سے لڑ رہے ہوں مگر اس سماجی جبر کے آگے وہ خود کو بے بس محسوس کرتے ہیں اور ان کی اس چپ کی وجہ سے سماج میں بہت سی ناانصافیاں جنم لیتی ہیں جو لوگوں کے اندر دکھ اور کرب کا باعث بنتی ہیں۔ ان کی شاعری میں اس بات کا بار بار ذکر ملتا ہے کہ ہمارے معاشرے کا المیہ ہے کہ آج کل کے دور میں آنکھیں تو سب کے پاس ہیں مگر جو دیکھتا بھی ہے مگر ساتھ کسی کا نہیں دیتا۔ آنکھیں ہونے کے باوجود سب اندھے نظر آتے ہیں۔

"اے غمِ زندگی بتا تجھ کو

دشمنِ جاں کہیں کہ راحتِ جاں"

(سروِ چراغاں، ص154)

جمیل ملک اس سوچ میں غرق ملتے ہیں کہ زندگی میں غم اتنے ہیں کہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ زندگی میں کہاں راحت ہے۔ جب سماج میں ظلم و جبر ہو اور امیر حکمران ہوں تو غریب لوگوں کے لیے تو زندگی ویسے ہی تنگ ہو جاتی ہے۔ اس سماجی ماحول میں بھی اسی طرح کے واقعات رونما ہوتے ہیں کہ غریب عوام زندگی سے تنگ نظر آتی ہے۔

(پردۂ سخن، ص12)

یہ اشعار مثبت انداز فکر کے غماز نظر آتے ہیں جس میں شکست کو شکست ہی کہا گیا ہے اور ایک خلا کو محسوس کرتے ہوئے ایک ایسی آویزش کی تصویر کشی ملتی ہے جس سے ظاہر ہے کہ جمیل ملک نہ صرف زندگی سے پیار کرتے ہیں بلکہ وہ عروسِ فن کی آرائش کے لیے اپنا خونِ جگر تک پیش کر دیتا ہے۔

ہر قوم کی ہر سماج کی اپنی اقدار ہوا کرتی ہیں جو اس قوم کی ترقی کا باعث بنتی ہیں اگر اقوام ان پر عمل پیرا نہ ہوں تو اقدار کی پامالی سماج کی تباہی ہوتی ہے۔ اقدار کی پامالی سے مراد معاشرے میں اچھے اور بُرے ، نیکی اور بدی کی تمیز نہ رہنا، جائز و ناجائز، خیر و شر، حلال و حرام، ایمان داری و بے ایمانی کی پہچان ختم ہو جانا ہے۔ جھوٹ اور اپنی ذات کے فائدے کی خاطر لوٹنا۔ وعدہ خلافی کرنا، رشوت لینا، کرپشن کرنا۔ جمیل ملک کو اپنی سر زمین کی اقدار سے بے پناہ انسیت ہے۔ وہ انھیں پامال ہوتے دیکھتے ہیں تو ان کا دل خون کے آنسو روتا ہے وہ لکھتے ہیں۔

"باہر گلی میں آ گئے گھر اپنا چھوڑ کر
آزاد کتنے ہو گئے آئینے توڑ کر"

(جمیل ملک، پسِ اظہار، ص85)

جمیل ملک نے یہاں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آج کل کے سماج کے لوگ اس قدر آزاد ہو گئے ہیں کہ وہ بھول بیٹھے ہیں کہ ان کی اقدار کیا ہیں اور ان کا تعلق کس قوم سے ہے۔ ایک قوم اپنی اقدار کو بھلا کر دوسروں کی اقدار کو اپناتی ہے تو اس کی اپنی کوئی پہچان نہیں رہتی۔ اپنی اقدار کی پامالی ایک قوم کے ساتھ ساتھ اس سماج کے لیے بھی تباہی کا باعث بنتی ہے۔ اس لیے اپنی اقدار کو اپنانا ہی عقلمندی کا ثبوت ہے۔

"بارشوں میں سب گھروندے بہہ گئے
لوگ دیواروں کی صورت ڈھ گئے
سبھی کے روگ ہیں اپنے عذاب ہیں اپنے"

(پسِ اظہار، ص145)

"اپنے پاپی پیٹ کی خاطر جو پردیسی ہو جاتے ہیں
دن کو آوارہ پھرتے ہیں رات کو بھوکے سو جاتے ہیں"

(پسِ اظہار، ص155)

"پردۂ سخن" میں جمیل ملک جیتے جاگتے معاشرے کی زندہ اور متحرک تصویریں پیش کرتے ہیں۔ اس میں روبرو گفتگو بھی کرتے نظر آتے ہیں اور اظہار کے تمام پہلوؤں کے ساتھ ابلاغ کی منزلیں بھی طے کرتی ہیں۔ احمد ظفر لکھتے ہیں۔ "جمیل ملک اسی راندۂ درگاہ قبیلے کا ایک ایسا فرد ہے جو یہ جانتا ہے کہ یہ ایک ادبی درگاہیں خود ساختہ درگاہیں ہیں، ان کی حیثیت نہ زمینی رشتوں کی آئینہ دار ہے نہ آسمانی رشتوں کی پیامبر، کچھ بت پرستوں نے اپنے جذبۂ بت پرستی کی تسکین کے لیے یہ ادبی درگاہیں تعمیر کر رکھی ہیں اور خود ہی بت، بت پرست اور مجاور بنے اپنے مریدوں میں تعویز پر تعویز تقسیم کرتے چلے جاتے ہیں۔ جمیل ملک نے اس تمام بت پرستی کو نہ تو تسلیم کیا اور نہ ہی کسی آذر کے صنم خانے کا کوئی بت بننے کی کوشش کی ہے۔ اُس نے اپنا فن کسی ادبی درگاہ یا ادب کے کسی پیر تسمہ پاکی نذر نہیں کیا۔ اس لیے جمیل ملک کا فن مٹی سے جنم لیتا ہے اور مٹی بھی وہ جو پھولوں کو جنم دیتی ہے اور اگر اس مٹی سے کسی پھول کی جگہ کوئی انگارہ جنم لیتا ہے۔ تو وہ فوراً پکار اٹھتا ہے۔

اس چمن میں نہ کہیں پھول نہ شبنم نہ صبا
دل ہے ویراں نگہ باز یہاں کچھ بھی نہیں
تم بھی کہتے ہو کہ آباد ہے دنیا میری
میرے مونس مرے ہمراز یہاں کچھ بھی نہیں
کس سے کہیئے کہ سنائے کوئی پر سوز غزل
نہ مغنی نہ کوئی ساز یہاں کچھ بھی نہیں"

ہے۔ دوسروں کی اقدار کو اپنانا اور اپنے سماج کو بھلانا سماجی تباہی کے سوا کچھ نہیں۔

سماج چونکہ انسانوں، افراد سے مل کر بنتا ہے اور اگر سب اپنی اپنی ذات کے متعلق سوچنے لگ جائیں اور اپنی اقدار کو بھلا دیں تو یہ سماج میں برائی اور بے حسی کو جنم دیتا ہے۔ یہ سماجی خود غرضی ماحول کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے کیونکہ جب انسان کے اندر سے احساس ختم ہو جائے اور وہ دوسروں کے بارے میں سوچنے سے گریز کرنے لگے تو یہ کسی بھی معاشرے کے لیے خطرے کی گھنٹی ہے۔

ے "نہ جانے کس کا کہاں کس سے ہاتھ چھوٹ گیا
بکھر کر رہ گئے ہم گردِ کارواں کی طرح"

(جمیل ملک، پسِ اظہار، ص14)

جمیل ملک مشرقی مزاج کے دلدادہ شاعر ہیں۔ انھوں نے مشرقی شرم و حیا اور پردے کے رواج اور دیسی مزاج کو اپنی شاعری کے آئینے میں بھی برتنے کی کوشش کی ہے۔ اس حوالے سے ہمارے ہاں آج کل مغرب کی تقلید کا رجحان پروان چڑھنا شروع ہو گیا ہے۔ جمیل ملک اس رویے سے اپنی شاعری میں نالاں نظر آتے ہیں۔

ے "وہ پیراہن کہ جن کو کہیں آبروئے تن
وہ پیرہن تو جبر وبدن ہی نہیں رہے"

(جمیل ملک، شاخِ سبز، ص84)

آج کل کے لوگ جسم کو چھپانے کی بجائے جسم کو دکھا کر خوش ہوتے ہیں۔ مغربی روایات اور مغربی لباس ہمارے سماج کا ایک حصہ بن چکا ہے جو کہ بہت غلط ہے۔

ے "خوشی کی کھوج میں صدیاں گزار دیں تو نے
جمیل بڑھتا رہا یوں برس برس تیرا غم"

(شاخِ سبز، ص111)

(پسِ اظہار، ص86)

جمیل ملک نے یہاں گھروندے سے مراد اقدار کو لیا ہے۔ جب اقدار کو بھلا دیا جائے تو انسان جس ڈگر پر چلا جائے تو اس کی پہچان ختم ہو جاتی ہے کیونکہ اپنی اقدار کو اپنانے سے ہی انسان کی پہچان برقرار رہتی ہے، نہیں تو انسان اپنی اقدار کے ساتھ ساتھ اپنی ذاتی پہچان بھی کھو دیتا ہے۔ لوگ ان کچی دیواروں کی طرح ہو جاتے ہیں جو کہ ذرا سی بارش سے گر جاتی ہیں۔ اس لیے اقدار کی پامالی نقصان کا باعث ہے اور جہاں تک ہو سکے اپنی اقدار کو فروغ دینا چاہیے تاکہ ایک قوم ہونے کی حیثیت سے سماج میں انسان کی پہچان برقرار رہے۔

ے "کیا سودا تھا لاحاصل کی کھوج میں عمریں بیت گئیں
لاحاصل تھا لاحاصل، کھو بیٹھے حاصل بھی اپنا"

(پسِ اظہار، ص34)

ہمارے اس سماج میں لوگ اپنی دھن میں چلے جا رہے ہیں۔ جس کا جو دل کرتا ہے وہی کر رہا ہے۔ سماج کے لوگ بھلا بیٹھے ہیں کہ ان کا تعلق اسلامی جمہوریہ پاکستان سے ہے اور ان کی اقدار کیا ہیں۔ اگر کوئی بھلائی کی راہ دکھائے تو اس کو بھی غلط کہہ کر چپ کرا دیا جاتا ہے۔ انہی اقدار کو بھلانا ایک سماج کی تباہی ہوتی ہے اور ہمارا سماج اسی راہ پر چل رہا ہے جو کہ ان کے لیے تباہی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ے "اپنے ہاتھوں آپ ہوئیں ساری قدریں پامال
قدم قدم پر ایک الاؤ، قدم قدم بھونچال"

(جمیل ملک، زخمِ ہنر، 1999ء، ص193)

جمیل ملک نے یہاں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سماج کے لوگ خود ہی ہیں جو اپنی اقدار کو بھلا دیتے ہیں۔ سماج کے لوگ اپنے ہاتھوں سے اپنی تباہی کو دعوت دے رہے ہیں۔ دوسروں کی اقدار اپنا کر اور اپنی بھلا کر بہت خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اقدار کی پامالی، اقوام کی پامالی ہے اور اس سماج کے لوگوں کو یہ بات سمجھنے کی اشد ضرورت

کہ ان کی پہچان ہوتے ہیں۔ رسم ورواج پر علاقائی اثر بہت ہوتا ہے۔ جمیل ملک نے بھی سماجی رسم ورواج کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا اور اس بارے میں اشعار کہے ہیں۔

؎"کتنے خوبصورت ہیں پیڑ میرے گاؤں کے
جب بھی کوئی کھیتوں میں بانسری بجاتا تھا"

(جمیل ملک، پسِ اظہار، ص68)

یہ اس وقت کی بات ہے جب بانسری بجانا اور درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھنا اس سماج کا حصہ ہوا کرتا تھا۔ مشینی دور سے قبل بانسری ہمارے سماجی ماحول کا حصہ تھی۔ اکثر کہیں نہ کہیں کوئی کسی درخت کے نیچے بیٹھ کر بانسری بجا رہا ہوتا تھا۔ مگر اب تو یہ رواج تبدیل ہو چکا ہے اب گاؤں میں بھی لوگ ان رواجوں کو نہیں اپناتے۔ رسم و رواج کی پابندی ہی سماج کو ایک بہتر ڈگر کی طرف لے جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ رسم ورواج اسلامی اقدار پر پورا اترتے ہوں نہ کہ غلط سماج کی عکاسی کرتے ہوں۔

جمیل ملک نے اپنی غزلیات میں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ بے اعتباری بالآخر انسانی تنہائی پر منتج ہو گی۔ ہر کوئی اپنی ذات کے خول میں بند نظر آتا ہے۔ کسی دوسرے کی کوئی پرواہ نہیں۔ انسان کا یہی رویہ اس کو نقصان کی طرف لے جاتا ہے۔ نتیجتاً یہ رویہ اس کے اندر بے چینی اور تنہائی کا سبب بنتا ہے۔ انسانی رویوں میں موجود اس منافقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

؎"کل جگ ہے سو باقی ہے
چھوڑ گئے سب اچھے لوگ"

(جمیل ملک، زخمِ ہنر، ص15)

یعنی سچے لوگ اب اس دنیا میں نہیں ملتے۔ چند ہی ایسے لوگ ہمیں نظر آتے ہیں، باقی انسانوں کے رویوں میں منافقت، حسد، نفرت ہی نفرت نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سماج کے انسانی رویے ایک دوسروں کے رسم ورواج کو اپنا کر ہمارے سماج کے لوگ خوشی محسوس کرتے ہیں اور دوسروں کے رسم ورواج کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں۔ مغربی رسم ورواج اور ہندو رسم ورواج کو ہمارے معاشرے نے اپنایا ہوا ہے۔ اپنے رسم ورواج کو بھلا کر مغرب کے طور اطوار اپنا کر خوشی سمجھتے ہیں مگر اس کے باوجود کسی کی زندگی میں کوئی سکون اور سکھ نہیں ہے۔

؎"جو بھی جدت تھی روایت ہی بنی آخر
ہر روایت کو رہی کسی جدت کی تلاش"

(جمیل ملک، زخمِ ہنر، ص220)

"رواں رہیں گے یونہی قافلے بہاروں کے
ہمارے بعد بھی مہکے گی زندگی کی کلی"

(جمیل ملک، سروِ چراغاں، ص149)

جمیل ملک نے یہاں قافلوں کو روایات سے تشبیہ دی ہے۔ جیسے ایک قافلے کے چلے جانے کے بعد لوگ دوسرے کے انتظار میں بیٹھ جاتے ہیں اسی طرح روایات بھی اپنا رنگ بدلتی ہیں۔ مگر دوسری اقوام کی روایات کو اپنانا اور اپنی روایات کو بھلا دینا بالکل درست روش نہیں کیونکہ یہی اندھا دھند تقلید قوموں کی بربادی کا باعث بنتی ہے۔ انھوں نے بہت خوبصورت انداز سے اس بات کو بیان کیا ہے اور اپنی بات نئی نسل تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

؎"ارمان دلوں میں پل رہے ہیں
گھر گھر میں چراغ جل رہے ہیں"

(جمیل ملک، زخمِ ہنر، ص94)

رسم و رواج کسی بھی سماج کا جزو لاینفک ہوتے ہیں۔ ان کے بغیر سماج کا وجود ناممکن ہے۔ یہ ایک طرح سے قاعدے قانون ہوتے ہیں جو کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جزوی تبدیلیوں سے بھی دوچار ہوتے رہتے ہیں اور ہر معاشرے کے اپنے رسم ورواج ہوتے ہیں جو

ملک نے بتایا ہے کہ ہمارے سماج نے ترقی کر لی ہے۔بہت سی ایجادات ہو چکی ہیں ۔ ترقی کے ساتھ ساتھ ہمارا معاشرہ ، ہمارا سماج بہت سے نقصانات کا بھی شکار ہو رہا ہے ۔ جہاں ترقی کی راہیں ہموار ہو رہی ہیں، وہیں لوگوں کے لیے ایک دوسرے کے لیے وقت ہی نہیں بچ پا رہا۔ زندگی میں بہت آسانیاں آگئی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ سماج بہت سی مشکلات کا شکار ہو رہا ہے۔

"حیرت کے بیاباں بھی تسخیر ہوئے لیکن
انسان کا مقدر ہے اب تک وہی حیرانی"

(جمیل ملک، پسِ اظہار، ص31)

ے"خود اپنی ذات کی پہچان بھی ہوئی مشکل
منافقت کے یہ پردے گرا دیے کس نے"

(جمیل ملک، زخمِ ہنر، ص16)

ہمارے سماج کے لوگ نہ خود کو پہچانتے ہیں اور نہ دوسروں کو ۔منافقت ہمارے سماج کا حصہ بن چکی ہ۔ے لوگوں کے یہ منافقانہ رویے ہر کسی کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ہر کوئی ترقی کی دوڑ میں بھاگ رہا ہے اور آگے نکلنے کی کوشش کر رہا ہے ۔اس میں نہ کسی کی عزت کا خیال اور نہ اس بات کی پرواہ کہ اگلے کا کیا اور کتنا نقصان ہو رہا ہے ۔اچھائی برائی کی تمیز ہی ختم ہو چکی ہے۔

ے"کیا سے کیا ہو گئے دنیائے وفا کے اندر
وہ غمِ دل نہ رہا، وہ رخِ زیبا نہ رہا"

(جمیل ملک، سروِ چراغاں، ص158)

جمیل ملک نے اس ترقی یافتہ دور کی سماجی صورتحال بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ دنیا نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ پہلے دنیا کیا تھی اور اب کہاں تک ترقی حاصل کر چکی ہے۔ پہلے لوگوں کو ایک دوسرے کا خیال ہوتا تھا مگر اب لوگ ایک دوسرے سے اتنے بے خبر ہو چکے ہیں کہ ان کے دلوں میں لوگوں کے لیے دکھ درد ختم ہو چکا ہے۔ کسی کو کسی کا دوسرے کی جڑیں کاٹنے میں لگے ہوتے ہیں۔ باہمی نفرت، حسد یا جلن اور منافقت کے یہ رویے انسانی کردار کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔ جمیل ملک کی غزلیات اس کرداری شکست و ریخت پر افسوس اور جھنجھلاہٹ کا اظہار کرتی ہیں۔

ے"یاد اپنوں کی تب آتی ہے جمیلؔ
جب کبھی کوئی ضرورت نکلے"

(جمیل ملک، پسِ اظہار، ص55)

ے"دستوں کی دوستی سے ہم نے یہ جانا جمیلؔ
دوستوں کی دوستی کے اپنے اپنے راستے"

(پسِ اظہار، ص237)

ے"ہم وہ نہیں ہیں، پیار کی منزل تو ہے وہی
چہرے بدل گئے ہیں بہت، دل تو ہے وہی"

(پسِ اظہار، ص21)

ے"ہر کسی کو تھا اپنا اپنا خیال
مر کے دیکھا نہ ہم کو دنیا نے"

(جمیل ملک، سروِ چراغاں، ص119)

ان کی شاعری سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اس دور میں ہر انسان ایک دوسرے کی جان کا دشمن ہے۔ ہر کوئی اپنا الو سیدھا کرنے میں لگا ہوا ہے۔ کوئی کتنی مشکل میں ہے، کسی کو معلوم نہیں ہے۔ ہمارا سماج اور اس میں موجود افراد بے حس ہو چکے ہیں، کسی کو کسی کا خیال نہیں ہے۔ نہ دنیا میں کسی کا خیال ہے نہ آخرت کا ڈر۔

ے"باہر ایٹم اور میزائل ساری فضائیں دھواں دھواں
اور جمیل تم اپنے گھر میں لوح و قلم لیے بیٹھے ہو" 38

(جمیل ملک، زخمِ ہنر، ص80)

اس میں انھوں نے سائنسی ترقی کو بیان کیا ہے اور ایٹم بم جو کہ موجودہ دور کی ترقی یافتہ ایجادات ہیں۔ ان کا بھی ذکر کیا ہے۔ جمیل

سائنسی انقلابات اور مشینی طرزِ زندگی کے باوجوہ موجودہ دور کا انسان جس عدم اطمینان سے دوچار ہے۔ جمیل ملک کی غزلیات میں اس بات کا برملا اظہار ملتا ہے۔ سائنسی ایجادات نے اگر ایک طرف انسان کی زندگی کو پر آسائش بنایا ہے تو دوسری طرف یہی ایجادات انسانی ضرورتوں کو بڑھا رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے دور کا انسان معاشی حوالے سے ایک اور محاذ پر بھی جنگ لڑ رہا ہے۔

؎"تینوں پہر تو کٹ گئے فکرِ معاش میں
تنہائیاں نہ پوچھ مگر پچھلے پہر کی"44

(جمیل ملک، شاخِ سبز، ص149)

؎"سب اپنی اپنی دکانیں سجائے بیٹھے ہیں
مگر وہ لوگ جو سب کچھ لٹائے بیٹھے ہیں
وہ بارِ ہمسفراں بھی اٹھائے بیٹھے ہیں
جو اپنے آپ میں گم سر جھکائے بیٹھے ہیں"

(شاخِ سبز، ص149)

آج کا انسان اتنی سہولتوں اور آسائشات کے باوجود غیر مطمئن اور بے چین ہے۔ خود سے جڑے نفع و نقصان سے باہر نکل کر وہ کچھ بھی نہیں سوچنا چاہتا۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ معاشرے سے اجتماعی سوچ اور اجتماعی بھلائی کے رویے کم ہوتے جا رہے ہیں۔ جمیل ملک کی غزلیات میں اس سماجی المیے کا اظہار اس طرح سے ہوتا ہے۔

"تو یہ موت کی سی خموشی بھی دوستو
ہاں کچھ تو زندگی کا کر و اہتمام بھی"46

(شاخِ سبز،35)

"ہر چند بجلیوں نے نشیمن جلا دیئے
تنکے میں چن رہا ہوں کہ حاصل تو ہے وہی"

(جمیل ملک، پسِ اظہار، ص21)

"کب تک آئینہ خانوں میں نظروں سے چھپ کر بیٹھو گے

خیال ہی نہیں ہے۔ ہمارے سماج نے ترقی تو کر لی ہے مگر ان کے اندر سے احساس، محبت اور ہمدردی ختم ہو گئی ہے۔

؎"کیسے تھے لوگ جن کی زبان میں نور تھا
اب تو تمام جھوٹ ہے سچائیوں میں بھی"

(جمیل ملک، شاخِ سبز، ص43)

یہ ایک انتہائی خطرناک بات ہے جو کہ انسان کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔ جمیل ملک کی شاعری میں انہی سماجی کجیوں اور خرابیوں کی جا بجا عکاسی ملتی ہے۔

سائنسی ترقی نے ہمارے سماجی ڈھانچے میں بہت سی تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں۔ ہر کوئی سائنس کی بڑھتی ترقی اور ان کی طرف بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ سائنس کی بدولت روز مرہ معلوماتِ زندگی میں تیزی بھی آئی ہے اور سماج کے لیے بہت ہی آسانیاں بھی پیدا ہو گئی ہیں۔ سائنسی ترقی نے جہاں ایک طرف سماج کے لیے آسانیاں پیدا کی ہیں، وہیں یہ بے ہنگم ترقی مشکلات کا سبب بھی بنی ہے۔ اس سائنسی ترقی نے انسان کو اتنا مصروف کر دیا ہے کہ آج کا انسان دنیا سنوارنے کے چکر میں اپنی آخرت بھلاتا جا رہا ہے۔ وہ بے حد بے سکونی کا شکار رہتا ہے۔ اس سائنسی ترقی نے انسان کو بے شمار سہولیات تو دی ہیں مگر انسان کا سکون چھین لیا ہے۔

جمیل ملک نے اپنی غزلیات میں موجودہ دور کے انسان کی اس بے چینی اور ذہنی جھنجھلاہٹ کو بھی بیان کیا ہے۔ وہ ایک باشعور اور متوازن فکری رویوں کے مالک انسان ہیں۔ اسی توازن اور سکون کی تلاش ان کی غزلیات میں بھی جھلکتی محسوس ہوتی ہے۔

؎"اس دورِ پر خطر میں یارو قدم قدم پر
اور احساسِ زندگی نے بخشیں ہمیں پناہیں"

(جمیل ملک، سرورِ چراغاں، ص83)

شیشوں میں اِدھر بھی رنگ بہت ہاتھوں میں اُدھر بھی سنگ بہت"

(پسِ اظہار، ص25)

ادیب اپنے عہد کے حالات سے قریب ہوتا ہے اور معاشرتی حالات و واقعات کو نہ صرف دیکھتا ہے بلکہ اسے محسوس بھی کرتا ہے اور اس کا اظہار اپنی تحریر میں کرتا ہے۔ادیب کا اپنے سماج سے گہرا تعلق ہونے کی وجہ سے ان کی تحریر میں سماجی مسائل کی جھلک واضح نظر آتی ہے۔کوئی بھی ادیب اپنے عہد کے حالات کو جانے بغیر ادب تخلیق نہیں کر سکتا ہے۔بقول سلام سندیلوی۔"ادب کا سماج سے علیٰحدہ کوئی وجود نہیں ہے۔۔۔ادب پر اس دور کے سماج کی تحریکات کا اثر پڑتا ہے اور عوام کے رجحانات کا عکاس ہوتا ہے۔"(سلام سندیلوی،ڈاکٹر،ادب کا تنقیدی مطالعہ،1986ء)،ص30)

حاصل بحث:

جمیل ملک معاشرے کے ایک حساس ترین فرد تھے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں سماج سے متعلق موضوعات بہت زیادہ نظر آتا ہے۔انھوں نے معاشرے کا جائزہ نہایت باریک بینی سے لیا اور اپنے معاشرے میں موجود سماجی واقعات ،طبقاتی تقسیم اور معاشرتی نا انصافیوں کو موضوع بنایا۔جمیل ملک نے سماجی جبر اور داخلی کرب کے علاوہ غربت ،افلاس ،ہجرت اور استحصال کی بھی اپنی شاعری کے ذریعے عکاسی کی۔

References

Abu Al Aijaz Hafeez Siddiqui, Kishaf e tanqeedi Istalahaat, Islamabad: Muqtadra Qaumi Zuban, 1985

Aftab Iqbal Shameem, (Deebacha), Jameel Malik fun aor shaksiat, az Dr Aijaz Rahi, ,Rawalpindi: Faiz Islam Printing Press, 2003

Afzaal Butt, Dr, Muhammad, Urdu Novel mein samaji shaoor, Islamabad: Porab Akadmi, 2009

Jameel Malik, Sarwchiraghan, Lahore:Ashraf Press 1928

Jameel Malik, Shakhay sabz, Rawalpindi: Naveed Publishers, 1986

Jameel Malik, Parda e Sukhan (Ghazlain) 1985 ta 1973, Rawalpindi:Naveed Publishers, tabah awwal, 1975

Jameel Malik, Pass e Izhar, Rawalpindi: Naveed Publishers, 2000

Jameel Malik, Zakhm e Hunnar, Rawalpindi: Naveed Publishers, 1999

Salam Sindhylvi , dr, adab ka tanqeedi mutalah, Lakhnaw: maktaba meri library, 1986